

— (۱) —
علامہ اقبال

یعنی

حکیم الامت ترجمان حقیقت ڈاکٹر سر شیخ محمد اذ

عاشق قوم اور طبیب روحانی امراض کہنہ قوم اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے والے غلام ہیں

ان کا کلام قوم کے امراض کہنہ کیلئے شفا اور مطالعہ روح

جلا کا باعث ہے

— (۲) —

مولوی محمد جمیل الدین صدیقی صاحب ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ

کے علامہ اقبال کے نظریات کے تحت کتب اور خاص طور پر

کلام اقبال (ترتیب دار)

یعنی علامہ اقبال نے کیا فرمایا اور کمن کمن عنوانات کے تحت کا مطالعہ آپ کے ذر
 معلومات میں دسوت اور روحانی صحت کا ضامن ہوگا مندرجہ منہ آخر سے حاصل کیے

سکرٹری علامہ اقبال ریسرچ سنٹر درجمن اسلامک پبلیشر

23-1-525 بی بی بازار نزد کوئٹہ عالیجاہ حیدر آباد ۲۷ پی ڈاٹ

سلسلہ کلام اقبال

190/ROP

علامہ اقبال کی تمام تصنیفات

مسلمانوں کے زوال پر آہ و زاریاں

اور

علامہ اقبال کی اللہ پاک کے دعائیں

محمد جمیل الدین صدیقی

سپرٹنڈنٹ ہائیکورٹ اے پی حیدرآباد
دریائے سندھ

663

ہدیہ

23-1-523

بی بی بازار - نزد کوئٹہ
عالیجاہ - حیدرآباد - اے پی

اقبال ریسرچ سنٹر
سرکاری سنٹر داسلامک پبلیشرز

دل
پہزار
۱۰۰

علامہ اقبال کی قوم کو نصیحتیں بال جبریل

Acc 140.

663

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سرخِ زندگی
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلتِ در کی یہ بات
عشقِ تباہ سے ہاتھ اٹھا اپنی خوری میں لٹ جائے
برائے زمانِ ذرا آزما کے دیکھ اسے
دل بینا بھی کر خدا سے طلب
خود کی میں گم ہے خدا کی تلاشِ کر غافل
برہنہ سر ہے تو عزمِ بلند پیدا کر
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
نہ تو زمین کے لئے ہے نہ آسمان کے لئے
سہے گارادیِ ذیل و ذرات میں کب تک
نکدِ بلند سخنِ دل نواز، جاں پُر سوز

تو اگر میرا نہیں بننا نہیں، اپنا تو
تو جھکا غیر کے آگے نہ من ترا نہ
نقش و نگارِ دیر میں خونِ جگر نہ کر
فرنگِ دل کی خرابیِ خرد کی مسطور
آنکھ کا نورِ دل کا نور نہیں
یہی ہے تیرے لئے اب صلاحِ کار کا
یہاں فقط سر شاہیں کے واسطے ہے
ترا علاجِ نظر کے سوا کچھ اور نہ
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے
نرا سیف نہ کہے بھرے کراں کے
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارِ دواں کے

قدم اٹھایہ مقامِ آسمان سے دور نہیں

تو اے کسیرمکانِ لامکان سے دور نہیں
وہ مرغدار کہ ہم خزاں نہیں جس میں
یہ ہے خلاصہٴ علمِ قلندری کی حیات
فضا تری مہ و پردیں سے ہے ذرا آگے

وہ جلوہ گاہِ ترے خاکِ اداں سے دور نہ
غیمیں نہ ہو کہ ترے اشیاء سے دور نہ
ہذا نگِ جستہ ہے لیکن کہاں سے دور نہ
قدم اٹھایہ مقامِ آسمان سے دور نہ

کہے نہ راہنما سے کہ چھوڑ دے مجھ کو!

یہ بات راہِ رونقِ تہ دال سے دور نہیں!

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر نام کی ہے
 کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی
 دنیائے دل کی کب تک غلامی
 تری قید میں ہے ترا دل
 اک تو یہ کہ حق ہے اس جہاں میں
 میں عقدہ کشا یہ خار صحرا
 خمیر و سناں اول طاس و زیا با آخر دبا (جبریل)
 یہ بے سواد ی یہ کم نگاہی
 یا راہی کر یا پادشاہی
 تو آپ ہے اپنی روشنائی
 باقی ہے نمودِ سیمائی
 کم کر گلہ بر ہنسہ پائی

یا بندہ خدا، یا بندہ زمانہ

یہ بندگی خدا کی وہ بندگی گدائی
 غافل نہ ہو خودی سے کراپنی پاسبانی
 اے لالہ کے وارث باقی نہیں بچے تجھ میں
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 خودی کو کر بند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
 یا بندہ خدا، یا بندہ زمانہ
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 کفار دیرانہ، کردار و تہرانہ
 کھو یا گیا ہے تیرا جذب تعلق درانہ
 خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

• نو میدان ہو ان سے اے رہبر فرزانه

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
 اے طاثر لاہوتی اس رزق سے موت ابھی
 دارا سکندر سے وہ مرد فقیر اعلیٰ
 آئین جواں مرداں حتی گوئی و بیباکی
 کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی
 جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
 ہو جسکی فقیری میں بوسے اسد اللہی
 اللہ کے شیر دل کو آتی نہیں رو باہی

نو میدان ہو ان سے اے رہبر فرزانه

کم کوشش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!

کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر

فطرت کو خرد کے روبرو کر
 تاروں کی فضا ہے پیکر نہ
 تسخیر مقام رنگ و بو کر
 تو بھی یہ مقام آرزو کر

عمریاں تیرے چمن کی حوریں چاک گلِ دلالہ کو رفو کر
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت جو اُس سے نہ ہو سکا وہ تو کہ
 تو اپنا خودی کھو چکا ہے
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 یقین پیدا کر لے نادان! یقین سے ہاتھ اٹاتی ہے
 تازہ پھر دانشِ حاضر نے کیا سحر قدیم!
 وہ درویشی کہ جس کے سنانے جھکتی ہے فضا
 گذر اس عہد میں ممکن نہیں بے چوب کلا

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ جا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
 تہی زندگی سے نہیں یہ فصائیں یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
 قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر چمن اور بھی اَشیاں اور بھی ہیں
 اگر کھو گیا اک نشیمن تو کی غم مقاماتِ آہ و دغاں اور بھی ہیں
 توشا ہین ہے پرداز ہے کام تیرا تیرے سنانے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا

کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

چمن میں تلخ نوائیِ میسری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاں

کچھ کام نہیں بنتا بے جراتِ زندانہ!

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ اے رنگی و آزادی اے ہمتِ مردا
 یا سنجر و طغزل کا آئینِ جہانگیری یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
 یا حیرتِ فارابی یا تاب و تبِ رومی یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیما
 یا عقل کی ردِ باہی یا عشقِ یدِ الہی یا حیلہٴ افرنگی یا حملہٴ ترکانہ
 یا شرعِ مسلمانی یا دیر کی دربانی یا نعرہٴ مستانہ کعبہ ہو کہ بتخانہ

میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں

کچھ کام نہیں بنتا بے جراتِ زندانہ!

تلاش اُس کی نضاؤں میں کر نصیب اپنا جہاں تازہ میری آہ صبح گاہ میں ہے (بالجبرئیل)
 یہ مئے کدے کو غیغیت سمجھ کہ بادہ ناب نہ مدر سے میں ہے باقی نہ خاقاہ میں ہے
 وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
 یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا مہ نو کمال کس کو میسر ہوا ہے بے تنگ دو
 کھو نہ جا اس سحر دِشام میں آصا بہوش اک جہاں اور بھی ہے جس میں نہ زد لپے نہ دوش
 صاحب ساز کو لازم ہے کہ غافل نہ رہے گاہے گاہے غلط آہنگ بھی ہوتا ہے سر دوش
 جس کھیت سے رہتال کو میسر نہ ہو روزی اس کھیت کے خوشہ گندم کو جملادو
 کیوں خالق و مخلوق حائل رہیں پردے پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
 میں ناخوش و بیزار ہوں مرمَر کی سلوک میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو

کر بلبیل و طاووس کی تقلید سے توبہ

ہے یاد مجھے نکتہ سلمانِ خوش آہنگ دنیا نہیں مردانِ جفا کش کے لئے تنگ!
 چیتے کا جگر چاہیے شاہین کا جس جی سکتے ہیں بے روشنی دانش و زرنگ
 کر بلبیل و طاووس کی تقلید سے توبہ
 بلبیل فقط آواز ہے طاووس فقط رنگ

نہ چھوڑاے دل نغالی صبح گاہی اماں شاید ملے اللہ ہو میں

ایک نوجوان کے نام

ترے صوفے میں از رنگی ترے تالین میں ایرانی ہو مجھ کو رُلائی ہے جوانوں کی تن آسانی
 امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا جاں نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغناے سلامتی
 نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلی میں!

کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی!
 غنابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
 نہ ہو نومید زویدی زوالِ علم و عرفان ہے امید مردِ مومن ہے خدا کے راز دانوں میں!

نہیں تیرا شمعن قید صرسلطانی کے گنبد پر
تو شاہین ہے! بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

نصیحت

بچہ شاہین سے کہتا تھا عقاب سال خورد
اے ترے شہر پہ آساں رفت چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگلیں
جو کبر تر پر جھپنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھلی نہیں

نصیحت پر مغال

کل اپنے مریدوں سے کہا پر مغال نے
قیمت میں یہ معنی ہے درنا ب سے دوچنا
نہرا ب ہے اس قوم کے حق میں مئے از رنگ
جس قوم کے بچے نہیں خود ارد ہنرمند

خوشحال نحال پشتو زبان کے افغانستاں کے شاعر کی نصیحت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہوں نام افغانیوں کا بلند
مجت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں مکند
مغل سے کسی طرح کمتر نہیں
تہمتاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال نحال کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں باد کوہ
مغل شہسواروں کی گردِ سمنہ

بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو

ہو ترے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بنجارا
جس سمت میں چاہے منفعت سیل روا چل
وادی یہ ہمدانی ہے، وہ صحرا بھی ہمارا
غیرت ہے بڑی چیز جہاں تنگ دہیں
پہناتی ہے درویش کو بھی تلخ سردا
حاصل کسی کامل سے یہ پوشیدہ ہنر کر
بکتے ہیں کہ شیشہ کو بنا سکتے ہیں خا
افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستار

محرور رہا ملت دریا سے وہ غواص
دیں ہاتھ سے دے کر اگر آزاد ہو ملت
دنیا کو ہے پھر محرکہ روح و بدن پیش
اللہ کو یا مردی مومن پہ بھر دسہ
تقدیر اتم کیا ہے؟ کوئی کہہ نہیں سکتا
اخلاص عمل مانگ نیا کان کہن سے

کرتا نہیں جو صحبت ساحل سے کنارہ (بال تریل)
ہے ایسی تجارت میں مسلمان کا خمار
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ
شاہان چہ عجب بنواند گدارا

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقت رحیل اپنے پیسر سے
پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
جائے گا کبھی تو بھی اسی راہگزر سے
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

مسلمان قوم کو علامہ اقبال کی نصیحتیں ضربِ کلیم میں

نخن دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات

جب تک زندگی کے حقائق پہ ہونظر
یہ زبردست و ضربتِ کاری کا ہے مقام
تیراز جان ہونہ سکے گا حریف سنگ (ضربِ کلیم)
میدانِ جنگ میں نہ طلب کر نوائے جنگ
فطرت لہو ترنگ ہے غافل! نہ جل ترنگ

نخن دل و جگر سے ہے سرمایہ حیات

اے سالک رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہارا
ہے سلسلہ احوال کا ہر لحظہ دگرگوں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہونخزاں کا!
اے سالک رہ فکر نہ کر سود و زیاں کا
شاید کہ زمیں ہے یہ کسی ادب جہاں کی
تو جس کو سمجھتا ہے فلک اپنے جہاں کی

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ!

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
ترا بھر پوسکوں ہے ایسکوں ہے یا فوسکوں؟
کہ یہی ہے استوں کے مرض کین چارہ
نہ نہنگ ہے نہ طوفانِ ذخرائی کنارہ!
تو ضمیرِ آسمان سے ابھی آشنا نہیں ہے
ترے نیستانِ بن ڈالا میرے غمہ سحرے
میری خاک بے سپر میں جو نہاں تھا اک بشرارہ
نظر آئے گا اسی کو یہ جہاں دوش و فردا
جسے آگئی میسر میری شوخیِ نظر ارہ!

اگر نہیں قوتِ بازو

وحدت کی حفاظت نہیں بے قوتِ بازو
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل داد
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو گریاد
مسکینی و محکومی و ذمیداری جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر آباد

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو

اک فردِ فرنگی نے کہا اپنے پسر سے
بیچارے کے حق میں ہے ہی سب بڑا ظلم
منظر وہ طلب کر کہ تری آنکھ نہ ہو سیر! (دفعہ کلیم)
بڑے پہ اگر فاش کریں قاعدہ شیرا
کرتے نہیں محکوم کو تیعوں سے کبھی زیر
تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
یو جائے طام توجہ دھر چاہے اسے ہمیر
تاثر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر!

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند

ہر شاخ سے یہ نکتہ پیچیدہ ہے پیدا
ظلمت کدہ خاک پرش کر نہیں رہتا
فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند
جرات ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے

پودوں کو بھی احساں پہنایا فضا کا! (فریادِ کلیم)
ہر لحظہ ہے دل کو جنونِ نشردنما کا!
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا!
اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے

ایک نصیحت

ان شہیدِ دل کی دیت اہلِ کلیسا سے تنگ
قدرِ قیمت میں ہے خونِ جن کا حرم سے بڑھ کر

اے پیرِ حرمِ رسم و رہِ خانقہ چھوڑ

اے پیرِ حرمِ رسم و رہِ خانقہ چھوڑ
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
تو ان کو سکھانا رہِ شگافی کے طریقے
دل توڑ گئی ان کا دوسدویوں کی غلامی

مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
دے ان کو سبقِ خود شکنی، خود نگری کا
منہ بے سکھایا انہیں فنِ شیشہ گری کا
دار و کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

محفل گزار! اگرئی محفل نہ کر قبول!

تو رہ نورِ شوق ہے؟ منزل نہ کر قبول!
اے جوئے آپ بڑھ کے ہو دریا تند و تیز!
کھویا نہ جا صنم کدہ کا کینا ت میں!
صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے

یہی بھی ہم نشین ہو تو محفل نہ کر قبول!
ساحلِ تجھ عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول!
محفل گزار! اگرئی محفل نہ کر قبول!
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول!

باطلِ دینی پسند ہے، حقِ لاشریک ہے

شرکتِ میانہ حق و باطل نہ کر قبول!

آزادی فکر

مربطہ

- آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبیر کا سلیقہ
ہو فکر اگر غلام تو آزادی افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

گوارا اور ناگوار

- ہے مریدوں کو حق باگوارا لیکن
شیخ دُملا کو بُری لگتی ہے درویش کی بات
قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار
بوحش میں آتا ہے جب فلسفہ ذات و صفات
قیمت بادہ مگر حق ہے اسی ملت کا
انگبین جس کے جواڑوں کو تپے تلخاب حیات

چند نصیحتیں

- فطرت کی غلامی سے کر آزاد ہنر کو
صیاد ہیں مردانِ ہنر مند کہ پنجر!
اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!
بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا!
مانندِ سحر صحنِ گلستاں میں قدم رکھ
آئے تیرے پاگو ہر شبِ شبنم تو نہ ٹوٹے
ہو کوہِ دہیا باں سے ہم آغوش ولیکن
ہاتھوں سے ترے دامنِ افلاک نہ چھوٹے
قرآن میں ہو غوطہ زن لے ہر مسلمان
الذکر ہے تجھ کو عطا جدت کردار
نگاہِ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلامی کا
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن
یہ بے کلاہ ہے سرمایہ کلمہ داری!
قدم اٹھائیے مقامِ انتہائے راہ نہیں
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن

شرمندہ ہو فطرتِ ترے اعجازِ ہنر سے!

- دیکھئے تو زملے کو اگر اپنی نظر سے
ظاہر تری تقدیر ہو سیلے حشر سے!
خورشید کرے کسبِ ضیاء ترے شر سے!
نظا ہر تری تقدیر ہو سیلے حشر سے!
دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے!
شرمندہ ہو فطرتِ ترے اعجازِ ہنر سے!
اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی!
کیا تجھ کو نہیں اپنی خوری تک بھی سلائی!

نطرت کو دکھایا بھی ہے، دیکھا بھی ہے تنے آئینہ نطرت میں دکھاپنی خودی بھی (ضرب کلیم)

دیکھ فوارہ کہ زور دروں ہی بلند نصیب ہوتی ہے

یہ آبجو کی روانی، یہ ہکناری خاک میری نگاہ میں ناخوب ہے یہ نظارہ
ادھر نہ دیکھ، ادھر دیکھ لے جو ان عزیز بلند زور دروں سے ہوا ہے فوارہ!
ایسی کوئی دنیا نہیں انلاک کے نیچے بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم رکے
بے محنت پیہم کوئی جو ہر نہیں کھلتا روشن شر و تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

نوجوان مسلم عالم نوکس طرح پیدا کرتا ہے

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیر تقدیر خواب میں دیکھتا ہے عالم نو کی تصویر!
اور جب بانگ ازال کرتا ہے بیدار سے کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دنیا تعمیر!
بدن اس تازہ جہاں کلبے اسی کفِ خاک روح اس تازہ جہاں کی ہے اسی کی تکبیر

ضبط کی نصیحت

طریق اہل دنیا ہے گلہ شکوہ زانے کا نہیں ہے زخم کھا کر آہ کرناشان درویشی
یہ نکتہ پیر دانا نے مجھے خلوت میں بھجایا کہ ہے ضبطِ فغاں شیریں فغاں بیاہی دیشی

بدن کے یورپ کے رقص اور روح کے رقص

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و سوج روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللہی!
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن صللہ اس رقص کا درویشی رشاہت ہی!

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے!
وہ قوم نہیں لائق ہنگامہ فردا جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے!

پختہ عقائد اور عمل

حکمت مشرق و مغرب سکھایا ہے مجھے
دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطانی ہو
ایک نکتہ کہ غلاموں کے لئے ہے اکیر
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر!

تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
کر اس کی حفاظت کر یہ گوہر ہے دیکانہ
لادینی دلاطینی! کس پیچ میں الجھا تو!
دارد ہے ضعیفوں کا لا غالب الا ہو
تو اپنی سرنواشت اب اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے تمام حق نے حری جبین!
فرنگ سے بہت آگے ہے منزل مومن
قدم اٹھا! یہ مقام انتہائے راہ نہیں!

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو

مجھ میں فریاد جو پنہاں ہے سناؤں کس کو
برق این مرے سینے میں پڑی روٹی ہے
تبش شرق کا نظاروں دکھائوں کس کو
دیکھنے والی ہے جو آنکھ کہاں سوتی ہے
آہ اے رات بڑی درد ہے منزل میری
صفت شمع لحد مردہ ہے محفل میری
اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے اسکو
عہد حاضر کی ہوا اس نہیں ہے اسکو

اے نوجوان

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
حکومت کا تو کیا رزنا کہ وہ اک غرضی شے تھی
شریاء سے زمین پر آسمان نے ہم کو دے مارا
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
کو تو گرفتار دہ کردار تو ثابت وہ سیار
تجھے آیا سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی

علامہ اقبال کی نصیحتیں اپنے بیٹے جاوید کے نام بال جبریل اور ضرب کلیم میں

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا ساز
یہ ایک بات کہ آدم ہے صاحب مقصود
خودی کے سوز سے روش میں متوں کے چراغ! دبا
ہزار گو نہ فردغ دہزار گو نہ فراغ!

ہوئی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی خراب کر گئی شاہین بچے کو محبت زراغ! دبا لے چکر
 حیا نہیں ہے زلمنے کی آنکھ میں باقی!
 خدا کرے کہ جوانی ترے رہے بے داغ!

جاوید کے نام

(لندن میں اسکے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط آنے اور گرامونون کی فرمائش پر)
 دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر نیا زمانہ نئے صبح دشام پیدا کر
 خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو سکوتِ لالہ دگل سے کلام پیدا کر
 اٹھائے شیشہ گرانِ فرنگ کے احسا سفالی ہند سے مینارِ جام پیدا کر
 میں شاخِ تک ہوں میری غزل میرا شمر میرے شمر سے لالہ عام پیدا کر
 میرا طریقِ امیسی نہیں فقیری ہے
 خودی نہ پیچ غریبی میں نام پیدا کر

جاوید سے

(۱)

غارت گردین ہے یہ زمانہ غارت گردین ہے یہ زمانہ
 دربارِ شہنشی سے خوشتر مردانِ خدا کا آستانہ!
 لیکن یہ دورِ سحر ہے انداز ہیں سب کے جادوانہ!
 سرچشمہٴ زندگی ہوا خشک باقی ہے مچھاں مئے شیانہ!
 خالی ان سے ہوا دبستاں تھی جن کی نگاہ تازیانہ!
 جس گھر کا مگر چراغ ہے تو ہے اس کا مذاقِ عذرِ فانیہ!
 جو ہر میں لا الہ تو کیا خوف تسلیم ہو گرفتہٴ نگیانہ!
 شاخِ گل پہ چہک دلیکن کراہی خودی میں آشیانہ!
 وہ بحر ہے آدمی کہ جس کا ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ!
 دہقان اگر نہ ہوتی آساں ہر دانہ ہے صد ہزار دانہ!

غافل منشیں نہ وقت بازی ست

وقت ہنراست دکار سازی ست

دھ

===== (۲) =====

سینے میں اگر نہ ہو دلِ گرم	رہ جاتی ہے زندگی میں خامی !
نچھیر اگر ہو زیرک و چست	آتی نہیں کام کہنہ دانی !
ہے آبِ حیات اسی جہاں میں	شرط اسکے لئے ہے تشنہ کانی !
غیرت ہے طریقتِ حقیقی	غیرت سے ہے فقر کی غلامی
اے جانِ پدر نہیں ہے ممکن	شاہیں سے تدرد کی غلامی
نایاب نہیں متاعِ گفتار	صدِ نوری و ہزارِ جامی !
ہے میری بساط کیا جہاں میں ؟	بس ایک فغانِ زیرِ بامی
اک صدقِ مقال ہے کہ جس سے	میں چشمِ جہاں میں ہوں گرائی
اللہ کی دین ہے، جسے دے	میراث نہیں بلند نامی
اپنے نورِ نظر سے کیا خوب	فرماتے ہیں حضرتِ نظامی

جائے کہ بزرگِ بایدا بود

فرزندِ تئی من نداردت سود !

===== (۳) =====

مومن پہ گراں ہیں یہ شبِ دروز	دین و دولت تمہارا بازی !
ناپید ہے بندہٴ عملِ مرت	باقی ہے نقطِ نفسِ دازی !
ہمت ہو اگر تو ڈھونڈو فقر	جس فقر کی اصل ہے حجازی !
اس فقر سے آدمی میں پیدا	اللہ کی شانِ بے نیازی !
کنجشک و حمام کے لئے موت	ہے اس کا مقام شاہِ بازی !
روشن اس سے خرد کی آنکھیں	بے سرمہٴ بوعلی و رازی !
حاصل اس کا شکوہ محمود	فطرت میں اگر نہ ہو ایازی !
تیری دنیا کا یہ سراپیل	رکھتا نہیں ذوقِ بے نوازی !
ہے اس کی نگاہِ عالمِ آشوب	در پردہ تمام کار سازی !

یہ فقر غیور جس نے پایا بے تیغ و سناں ہے مرد غازی!

مومن کی اسی میں ہے امیری

اللہ سے مانگ یہ فقیری

(مضبطلیم)

علامہ اقبال کی نصیحتیں بانگ درا میں

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
وانہ کرنا فرقہ بندی کے لئے اپنی زبان
وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
محفلِ نومیں پرانی داستانوں کو نہ چھڑ
تو اگر کوئی مدبر ہے تو سن میری صدا
عرضِ مطلب سے جھجک جانا نہیں زیبائے تجھے
بندہ مومن کا دل بیمِ دنیا سے پاک ہے
ہو اگر ہاتھوں میں تیرے خامہ معجزِ رقم
پاک رکھ اپنی زبانِ تلمیذِ رحمانی ہے تو
سوئے والوں کو جگادے شعر کے اعجاز سے
خمرِ مینِ باطلِ جلا دے شعلہٴ آذر سے

راز عیاں نہ سمجھنا اور حلقہٴ دامِ تمنا میں الجھنا

اے راز عیاں کے نہ سمجھنے والے
ہائے غفلت کہ تیری آنکھ ہے باندِ مجاز
تو اگر اپنی حقیقت سے خبردار رہے
نہ سیہ روز رہے پھر نہ سیہ کار رہے

سراپا تصویرِ دردِ بن کر علامہ اقبال کی قوم کو سیاسی و مذہبی نصیحتیں

مجھے رازِ دو عالمِ دل کا آئینہ دکھاتا ہے
رلاتا ہے ترانہٴ ظاہر اے ہندستانِ مجھ کو
وہی کہتا ہوں جو کچھ سننے سے انکھوں کا آتا ہے
کہ عبرتِ خیر سے ترافانہٴ سبکدوشوں میں

نشاں برگ گل تک بھی نہ چھوڑا باغ میں گلچیں
تیری قسمت سے نرم آرمیاں میں باغباؤں
بچھیا کر آستیں میں بجلیاں دکھی ہیں گردن
غدا دل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں پر
وطن کی فکر کو ناداں مصیبت آتی والی ہے
تیری بربادیوں کے مشورہ ہیں آسمانوں پر
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے ہونے والا ہے
دھڑاکیا ہے بھلا عہد کہیں کی داستانوں پر
یہ خاموشی کہاں تک لذت فریاد پیدا کر
زمین پر تو ہوا اور تری صدا ہو آسمانوں پر
نہ سمجھ گے تو مٹ جاؤ گے اسے ہندوستان والا!
تمہاری داستان تک بھی نہ ہو گی داستانوں

یہی آئین قدرت ہے یہی اسلوب فطرت ہے

جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوب فطرت ہے

جو ہے پردوں میں پنہاں چشم ہینا دیکھ لیتی ہے
زمنے کی طبیعت کا تقاضا دیکھ لیتی ہے
کیا رفت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گذاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے
رہا دل بستہ محفل مگر اپنی نگاہوں کو
کیا بیرون محفل سے نہ ہجرت آشنا تو نے
خدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پر
مگر دیکھی نہ اس آئینہ میں اپنی ادا تو نے
تغصب چھوڑا ناداں دہر کے آئینہ خانے میں
یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے برا تو نے
زمین کیا آسمان بھی تیری کج بینی پر روتا ہے
غضب ہے سطر قرآن کو چلیپا کر دیا تو نے
زباں سے گرمی تو حید کا دعویٰ تو کیا محفل
شجر سے فرقہ آرائی تغصب ہے غم اس کا
نہ اٹھا جذبہ خورشید سے اک برگ گل بھی
پھر کرتے نہیں مجروح الفت فکر درباں میں

محبت کے شرر سے دل سراپا نور ہو تا ہے

ذرا سے یسوع سے پیدا ریاض طور ہوتا ہے

دواہر دکھ کی ہے مجروح تیغ آرزو رہنا
علاجِ زخم ہے آزاد احساں و فرہنگ
شرابِ خودی سے تاملک پر داز ہے میری
شکست رنگ سے سیکھا ہے میں بن کے بورہنگ
تحمے کیا دیدہ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادتِ چشم شاعر کی ہے ہر دم با حضور رہنا
بنائیں کیا سمجھ کر شمع گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبر و رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ نعت میں
غلامی ہے اسیر امتیاز ما و تو رہنا

یہ استغنا ہے پانی میں نگوں رکھتا ہے ساغر کو
نہ رہ اپنوں سے بے پروا کسی میں خیر ہے تیری
شرابِ درد پر در ہے محبتِ نفعِ انساں کی
محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بختِ خفتہ کو بیدار قوموں نے
بیابانِ محبتِ دشتِ عربت بھی دُمن بھی ہے
محبت ہی وہ منزل ہے کہ منزل بھی ہے محراب بھی
مرضِ کہتے ہیں مہلک کو یہ ہے لیکن مرضِ ایسا
جلانا دل طے ہو گیا سراپا نور ہو جانا
وہی اک حسن ہے لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
اجازت ہے تمیزِ ملتِ دُعا میں نے قوموں کو
سکوتِ آموزِ طولِ داستانِ درد ہے درد
نہی گردید تر رشتہ معنی رہا کر دم
حکایتِ بود بے پایاں بخاموشی ادا کر دم

آک نیا شوالہ اس دیں میں بنادیں

(شوالہ معنی مندرجہ ذیل مطلب ہے نیا ماحول کا مندرجہ ذیل برائیوں سے پاک ہو)

یہ کہہ دو لے برہنِ گرتو برہنہ ملنے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
تنگ آکے میں نے آخرِ دیرِ حرم کو چھوڑا
پتھر کی گورتوں میں بکھا ہے تو خدا ہے
آغیرت کے پردے ایک بار پھر اٹھا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
دنیا کے تیر حقوں میں اونچا ہوا پنا تیر قد
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے

تیرے منم کد دل کے بت ہو گئے پیر لے
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا لے
واعظ کا وعظ چھوڑا پھوڑے ترے فسانے
خاکِ وطن کا جھکو ہر ذرہ دیوتا ہے
بچھوڑوں کو پھر ملا دیں نقشیِ دوئیِ مسادیں
آک نیا شوالہ اس دیں میں بنادیں
دامانِ آسمان سے اس کا کلس ملا دیں
سارے پجاریوں کو منے بیت کی ملا دیں

شکستی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے

دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا؟ بزم کہن بدل گئی اب خدا کے واسطے ان کو سے مجاز سے دہلا

علامہ اقبال کی نصیحتیں طلباء علی گڑھ کالج کے نام

اور دل کل ہے پیام اور میرا پیام اور ہے
طاثر زیر دام کے نالے تو سن چکے ہو تم
آتی تھی کوہ سے صدا راز حیات ہے کو
جذبِ حرم سے ہے فردغِ انجمنِ حجاز کا
موت ہے عیشِ جہاد داں ذوقِ طلباء ہو
شمعِ سحر یہ کہہ گئی سوت ہے زندگی کا ساز
عشق کے درد مند دن کا طرزِ کلام اور ہے
یہ بھی سنو کہ نالہ طائرِ بام اور ہے
کہتا تھا موزِ ناقواں لطفِ حرام اور ہے
اس کا مقام اور ہے اس کا مقام اور ہے
گردشِ آدمی ہے اور گردشِ جام اور ہے
غم کہہ نمود میں شرطِ دوام اور ہے

بادہ ہے نیم بس ابھی شوق ہے نار سا ابھی
رہنے روختم کے سر پہ تم خشت کیسا ابھی

علامہ اقبال ہلالِ عید کو دیکھ کر خون کے آنسو بہاتے اور قوم کو نصیحت کرتے ہیں

ادرج گردن سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے
قلیلے دیکھ اور ان کی برقِ رفتاری بھی دیکھ
فرقہ آرائی کی زنجیریں ہیں پسلم ایر
دیکھ مسجد میں شکستِ شمعِ شیخ
کافروں کی آئینی کا بھی نظارہ کر
بارشِ سنگِ حوادث کا تماشا بھی ہو
ہاں تملقِ پیشگی دیکھ آبر و والوں کی تو
جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا
سازِ عشرت کی صدا مغرب کے ایلاؤں میں سن
چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی تبا
اپنی رفعت سے ہمار گھر کی بستی دیکھ لے
اے تہی ساغر! ہمارے آج ناداری بھی دیکھ
اپنی آزادی بھی دیکھ ان کی گرفتاری بھی دیکھ
بست کہ سے میں برہن کی بختہ زناری بھی دیکھ
اور اپنے مسلمانوں کی مسلم آزادی بھی دیکھ
امتِ سرحد کی آئینہ دیواری بھی دیکھ
اور جو بے آبرو تھے ان کی خود داری بھی دیکھ
اس حریف بے زبان کی گرم گفتاری بھی دیکھ
اور ایران میں ذرا ماتم کی تیاری دیکھ
سادگیِ مسلم کی دیکھ اوروں کی عیاری دیکھ

صورت آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ
شورشِ امردز میں فحسِ دردِ دوش رہ

آہِ مسلمان زوال پذیر !!

اور ہے تیرا شعار آئینِ ملت اور ہے
کعبہ پہلو میں ہے اور زوالی بت خانہ ہے
قیس پیدا ہوں تری محفل میں یہ ممکن نہیں
اے درتا بندہ اے پروردہ آغوشِ موع
زشت روئی سے تری آئینہ ہے رگواترا (ہانگہ)
کس قدر شوریدہ سر ہے شوقِ بے پرواترا
تنگ ہے صحرا ترا، محفل ہے بے لیلک ترا
لذتِ طوفانِ سہ ہے نا آشنا دریا ترا

اب فراہم ہے کیا گلشن ہوا برہم تیرا

بے محل تیرا ترنم، نغمہ بے موسم تیرا

تھا جھینس ذوقِ تماشا وہ تو رخصت ہوئے
انجن سے وہ پرانے شعلہ آتش امٹھ گئے
آہ جبہ گلشن کی جمیعت پریشان ہو چکی
آخر شب دید کے قابل تھی بسل کی ٹرپ
بچھ گیا وہ شعلہ جو مقصود ہر پردانہ تھا
پھول بے پروا ہیں تو گرم نوا ہو یا نہ ہو
شمع محفل ہو کے توجہ سوز سے خالی رہا
رشتہ الفت میں جب ان کو پروں لگا تھا تو
شوق بے پروا گیا، فکر فلک پیم گیا
وہ جگر سوزی نہیں وہ شعلہ آتش ہی نہیں
خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
رور ہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا سے
آج ہیں خاموش وہ دشتِ جنوں پرورد جہاں
لے کے اب تو وعدہ دیدار عام آیا تو کیا
ساقی محفل میں تو آتشِ بجم آیا تو کیا
پھول کو بادِ بہاری کا پیام آیا تو کیا
صبح دم کوئی اگر بالائے یام آیا تو کیا
اب کوئی سودائے سوزنا تمام آیا تو کیا
کاروانِ بے حس ہے آوازِ دریا ہو یا نہ ہو
ترے پردانے بھی اس لذت سے بیگانے رہے
پھر پریشان کیوں تری تسبیح کے دانے رہے
تری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے
نائدہ پھر کیا جو گردِ شمع پر دانے رہے
اب تو وہ یکش رہے باقی زمین خانے رہے
کل تلک گردش میں جس ساتی کے پیمانے رہے
رقص میں لیلارہی، لیلک کے دیوانے رہے

وائے ناکامی متاعِ کاروان جاتا رہا

کاروان کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
سقط توحید قائم جن نازوں سے ہوئی
دہر میں عیش دوام آئیں کی پابندی سے ہے
خود تجلی کو تمنا جن کے نظاروں کی تھی
اڑتی پھرتی تھیں ہزاروں بلبیں گلزار میں
وسعت گردوں میں تھی ان کی تڑپ نثار سوز
دیدہ خونیا رہو منت کش گلزار کیوں

شہران کے مٹ گئے آبادیاں بن ہو گئیں (بانگ)
دہ نمازیں ہند میں نذر برہمن ہو گئیں
موج میں آزادیاں سماں فیض ہو گئیں
دہ نگاہیں نا اُمید نور این ہو گئیں
دل میں کیا آئی کہ پابند نشیمن ہو گئیں
بجلیاں آسودہ دامان خرم ہو گئیں
اشک پیہم نے نگاہیں گل بدامن ہو گئیں

آنکھ کو بیدار کر دے وعدہ دیدار سے

زندہ کر دے دل کو سوز جو ہر گفتار سے

رہزن ہمت ہوا ذوق تن آسانی ترا
اپنی اصلیت پہ قائم تھا تو جمعیت بھی تھی
زندگی قطرے کی سکھلاتی ہے اسرار حیات
پھر کہیں سے اس کو پیدا کر بڑی دولت ہے
آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی

بھر تھا صحرا میں تو گلشن میں مثل جو ہوا
چھوڑ کر گل کو پریشاں کاروانِ بو ہوا
یہ کبھی گوہر کبھی شبنم کبھی آنسو ہوا
زندگی کیسی جو دل بیگانہ پہلو ہوا
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

پردہ دل میں محبت کو ابھی مستور رکھ
خیمہ زن ہو وادی سینا میں مانند کلیم
شمع کبھی ہو ذرا معلوم انجامِ ستم
تو اگر خود دار ہے منت کش ساقی ہو
کیفیت باقی پرانے کوہ و صحرا میں نہیں
خاک میں تجکو مقدر نے ملایا ہے اگر
ہاں اسی شاخِ کہن پر پھر بنالے آشیان
اس چمن میں پیرِ دبیل ہوا تلمیذ گل

یعنی اپنی مے کو رسوا صورتِ مینا نہ کر
شعلہ شحیق کو غارتِ گو کا شانہ نہ کر
صرف تعمیرِ سحرِ خاکستر پر وائے نہ کر
عین دریا میں جنابِ سانگوں بیمانہ نہ کر
ہے جنوں تیرا نیا پیدا، نیا ویرانہ نہ کر
تو عصا افتاد سے پیدا مثالِ دانہ نہ کر
اہل گلشن کو شہدِ فغمہ مستانہ نہ کر
یا سرا یا نالہ بن جا، یا فزا پیدا نہ کر

کیوں چمن میں بے صدا مثلِ رمِ شبنم ہے تو؟ (بانگ درا)

لب کشا ہو جا سرودِ برِبطِ عالم ہے تو؟

آشنا اپنی حقیقت سے ہوائے دہقاں ذرا
دانت تو کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو
آہ! کس کی جستجوِ آوارہ رکھتی ہے تجھے
راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو، منزل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشہ طوفان سے کیا
ناخدا تو، بھر تو کشتی بھی تو، ساحل بھی تو
دیکھ آکر کوچہ چاک گریباں میں کبھی!
قیس تو، یسایا بھی تو، صحرا بھی تو، محل بھی تو
دائے نادانی! کر تو محتاج ساقی ہو گیا
مئے بھی تو، مینا بھی تو، ساقی بھی تو، محفل بھی تو
شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گریا بل بھی تو

بے خبر! تو جو ہر آئینہ ایام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے!

اپنی اصلیت سے ہوا گاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے، لیکن مثالِ بحر بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتارِ طلسم، میحِ مقداری ہے تو
دیکھ تو پرشیدہ تجھ میں شرکتِ طنائں بھی ہے
سینہ ہے تیرا میں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے، پنہاں بھی ہے
ہفت کثر جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھ تو تیرے پاس وہ سماں بھی ہے
اب تلک شاہد ہے حسن پر کوہِ فلاں کا سکتا
اے تغافل پیشہ! تجھ کو یاد وہ پہاں بھی ہے
تو ہی نادان چند کیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگی، دامان بھی ہے
دل کی کیفیت ہے پیدا بردہ تقدیر میں
کوتاہی میں مستور بھی غرماں بھی ہے
پھونک ڈال لہے مری آتشِ نوائی نے مجھے
اور مری زندگانی کا یہی سماں بھی ہے

راز اس آتشِ نوائی کا میرے سینے میں دیکھ

جلوہ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسمان ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمتِ رات کی سیاب پا ہو جائے گی
آملیں گے سینے چاکانِ چمن سے سینہ چاک
بزمِ گل کی ہم نفس باد صبا ہو جائے گی!
شبنمِ انشائی میری پیدا کرے گی سوز و ساز
اس چمن کی ہر گلی درد آشنا ہو جائے گی!
دیکھ لو گے سطوتِ رفتِ ردِ ریا کا مال
موجِ مضطرب سے زنجیر پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغامِ سجدہ
پھر جبینِ خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

نالہ صیاد سے ہوں گے نواسا مانِ طیور خون گلیں سے کھلی رنگین قبا ہو جائے گی! (باگِ دریا)
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پر آسکتا نہیں محو حیرت ہوں کہ دنیا کیلے کیا ہو جائے گا
شب گریزاں ہوگی آخر جہلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے!!

ساتی یعنی مرشد کو علامہ اقبال کی نصیحت

نشا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساتی
جو بادہ کش تھے پرلے وہ اٹھتے جلتے ہیں کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساتی
کٹی ہے رات تو ہنگامہ گسری میں تری
سحر قریب ہے اللہ کا نام لے ساتی!

شاعرِ مشرق، شاعر کو بھی قوم کا معمار بتاتے ہیں

شاعرِ دل نواز بھی بات اگر کہے کمری ہوتی ہے اسکے فیض سے نروغِ زندگی ہری
شانِ خلیں ہوتی ہے اس کے کلام سے عیا کرتی ہے اس کی قوم جب اپنا شمار آوری
اہلِ زمین کو نسخہ زندگی دوام ہے خونِ جگر سے تربیت پاتی ہے جو سنواری
مسلم خوابیدہ اٹھ، ہنگامہ آرا تو بھی ہو وہ چمک اٹھا افق، گرم تقاضا تو بھی ہو

بروزِ عید علامہ اقبال کو مسلمان قوم کا زوال بے چین کرتا ہے

یہ شالامار میں اک برگِ زرد کہتا تھا گیا وہ موسمِ گل جس کا راز دار ہوں میں
نہ پاؤں کرین مجھ کو زائرانِ چمن انہیں کی شاخِ نشیمن کی یادگار ہوں میں
ذرا سے پتے نے بیتاب کر دیا دل کو چمن میں آکے سراپا غم بہار ہوں میں
خزاں میں مجھ کو زلاتی ہے یادِ فصلِ بہار خوشی ہو عید کی کیوں کر کہ سو گوار ہوں میں
اجاڑ ہو گئے عہدِ کہن کے مئے خلتے گذشتہ یادہ پرستوں کی یادگار ہوں میں

پیامِ عیش و مسرت ہمیں سناتا ہے!

ہلالِ عید ہماری ہنسی اُڑتا ہے!

اے دورِ حاضر کے مسلمان!

(۱)

خوب ہے تجھ کو شعار صاحبِ شرب کا پاس
جس سے ترے حلقہ خاتم میں گردوں تھا ایر
ہنٹاں سجدہ ہو رو دشمن تھا کوکب کی طرح
دیکھ تو اپنا عمل، شجکو نظر آتی ہے کیا
رے آبا کی نگہ بھلی تھی جس کے واسطے
ماقل! اپنے اشیاء کو آکے پھر آباد کر
کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں (بالک درام)
اے سیلماں! تیری غفلت نے گنوا دیا وہ نگیں!
ہو گئی ہے اس سے اب نا آشنا تری جسمیں
وہ صداقت جس کی بیباکی تھی حیرت افزا
ہے وہی باطل ترے کا شند دل میں مکیں
نغمہ زن ہے طور معنی پر کلیم نکتہ میں

(۲)

سلم مرے کلام سے بے تاب ہو گیا
ہنے لگا کہ دیکھ تو کیفیت خسران
اموش ہو گئے چنناں کے راز دار
غماز ہو گئی غم پنہاں کی آہ سرد
اوراق ہو گئے شجر زندگی کے زرد
سرمایہ گماز تھی جن کی نوا سے درد

تہذیبِ حاضر اور نوجوانان

رات ہے بِلَا کی بادہ تہذیبِ حاضر میں
یا زہ کو جگنو دے کے تاب متعار اس نے
تے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
خیر آگیا ایسا تدبیر میں تخیل میں
یا گم تارہ پردانوں اپنا اشیاء لیکن
یا ت تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
درغ شمع نو سے بزمِ مسلم جگمگا اٹھی
بھڑک اٹھا بھوکا بن کے مسلم کا تنِ خاکی
کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی
یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی، یہ بیباکی
ہنسی سمجھی گئی گلشن میں غنچوں کی جگر چاکی
مناظر دل کش دکھلا گئی سحر کی چالاکی
رفابت خود فردشی، ناشکیبائی، ہوسناکی
مگر کہتی ہے پردانوں سے مری کہہ ادر اکی

تو اے پردانہ! این گری ز شمعِ محفلے داری
بھون در آتش خود سوزا اگر سوزِ دلے داری

مسلمان اور تعلیم جدید

(۱)

مرشد کی یہ تعلیم تھی اے مسلم شہیدہ سرا
بدلی زملنے کی ہوا، ایسا تغیر آگیا
وہ شعلہ روشن تر، عظمت گریزاں جس سے بھی
شیدائی غائب نہ رہ، دلوں میں موجود ہو
ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو بار آور تری
اس دور میں تعلیم ہے امراض ملت کی دوا
وہ مہر کے ایما سے ہوا تعلیم کا سودا بچھے
لیکن بھگاہ نکتہ میں دیکھنے زبوں بختی میری
یک لمحہ غافل گشت و حد سالہ راہم دوشد

(۲)

جب پیر فلک نے ورق آیام کا لٹا
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں نزول
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
بنیاد لرز جائے جو دیوار چین کی
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
آئی یہ صدا پاؤ گے تسلیم سے اعزاز
دنیا تو ملی، طائر دین کر گیا پرواز
دیں زخم ہے، جمعیت ملت ہے اگر ساز
ظاہر ہے کہ انجام گلستان کا ہے آغاز
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

(۳)

تعلیم اور اس کے نتائج

نوش تو ہیں ہم بھی جوازن کی ترقی سے مگر
ہم بھگتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم
گھر میں پردہ کے شیریں تو ہوئی جلوہ نما
لے کے آئی ہے مگر تیشہ فریاد بھی ساتھ
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
کیا خبر تھی کہ چلائے گا الحاد بھی ساتھ
تحم دیگر کیف آریم و بکاریم ز نو
کا پنہ کشتیم ز غفلت نتوان کرد درد

سر عبدالقادر مدیر محزون جو علم و اقبال
کے ساتھ لندن میں زیر تعلیم تھے۔ ہندوستان
آنے کے بعد ان کو ہمراہ لے کر قوم کو بام رفعت پر پہنچانے
اور اس مقصد کے لیے اپنی زندگیاں قربان کرنے
پے چین اور مضطرب نظر آ رہے ہیں۔

عبدالقادر کے نام

اٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا الفت خاور پر
ایک فریاد ہے مانند سپند اپنی بساط
اہل محفل کو دکھا دیں اثر صیقلِ عشق
جلوہ یوسفی گم گشتہ دکھا ان کو
اس حین کو سبق آئینِ نمودار دے کر
رحمتِ جاں بتکدہ جہیں اٹھائیں اپنا
دیکھ! یثرب میں ہوا ناتہ لیلے بیکار
بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہوا یا کہ گذار
گرم رکھتے تھے ہمیں سردیِ مغرب میں جواغ
شمع کی طرح جیسے بزمِ گم عالم میں

بزم میں شعلہ نوائی سے اجالا کر دیں
اسی ہنگامے سے غفلت دہالا کر دیں
سنگِ امروڑ کو آئینہ فردا کر دیں
ہشِ آمادہ تراز خونِ زلیخا کر دیں
قطرہ شبنم بے پایہ کو دریا کر دیں
سب کو محورِ رخِ سعدی و سلمیٰ کر دیں
قیس کو آرزوئے نو سے شتا سا کر دیں
جگرِ شیشہ و پیمانہ دمینا کر دیں
پیرِ کرسیٰ اسے وقف تماشا کر دیں
خود جلیں، دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

ہر چہ در دل گزرد وقفِ دہاں دارِ شمع
سو محنتِ نیست نیا لے کے نہاں دارِ شمع

علامہ اقبالؒ حضرت نضر علیہ السلام
کی زبان میں گویا دنیا نے اسلام اور مسلمانوں
کی زبانوں عالمی کا نقشہ کھینچ رکھا ہے۔

دنیا نے اسلام اور آج کا مسلمان

ہو گیا مانند آبِ ارزاں مسلمان کا ہو

(دہانگہ)

کیا سنا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
لے لئے تشلیک کے فرزند میراثِ خلیلؑ
ہو گئی رسوا زمانہ میں کلاہ لالہ رنگ
لے رہا ہے نئے فردشانِ فرنگستان سے پاک
حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ہو گیا مانند آبِ ارزاں مسلمان کا ہو
گفت رومی ہر بنائے کہنہ کا ہواں کسند
”ملکِ اقصیٰ سے کیا ملت کی آنکھیں کھل گئیں“
مومیاں کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
ربط و ضبطِ ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
پھر سیاست چھوڑ کر داخلِ حصارِ دین میں ہو
ایک ہوں مسلم حرم کی باسبانی کے لئے
جو کرے گا امتیازِ رنگِ دھنوں میں جا بیٹھا
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہوئی
کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں

مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلاموں کا سوز دماز
نخست بنیاد کیسا بن گئی خاکِ حجاز
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیا ز
وہ مئے سرکشِ حرارت جسکی ہے مینا گداز
ٹھکرے ٹھکرے جسطرح سونے کو کر دیتا ہے گداز
مضطرب ہے تیرا دل نہیں دانکے راز
می ندانی اول آں بنیاد و برا ویراں کند
حق ترا چشمے عطا کرد است غافل درنگ
مورے پر! حاجتے پیشِ سلیمانے مبر
ایشیا والے ہیں اس بنیت سے اب تک بے خبر
ملک و دولت ہے نقطہ حفظِ حرم کا اک خمر
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کا شغرا
ترکِ خسر گا ہی ہو یا اعزائی والا کھسر
اڑ گیا دنیسے تو مانند خاک رہ گذر
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

آزموئے نشتہ ہے اک اور بھی گردوں کے پاس
سائے تقدیر کے رسوائی تدبیر دیکھ

مسلمانوں کا ایک لائق احترام طبقہ سیدوں کا۔۔۔ جن کے لئے
زکوٰۃ فطرہ اور صدقہ حرام ہے۔ جب ان سیدوں میں روحانی افلاس کا یہ
حال ہے تو عام مسلمانوں کا کیا حال ہوگا؟

فلسفہ زدہ سیدزادے کے نام

تو اپنی خودی اگر نہ کھو تا	زنار می برگساں نہ ہوتا (ضررِ کلیم)
ہنگل کا صدف گہر سے خالی	ہے اس کا طلسم سب نیالی !
محکم کیسے ہو زندگانی؟	کس طرح خودی ہو لازمانی؟
میں اصل کا خاص سومناتی	آبا میر سے لاتی دمناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد	میری کف خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آبِ دگل میں	پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
شعلہ ہے ترے جنوں کا بے سوز	سُن جھ سے یہ نکتہ دل افروز
انجام خرد ہے بے حصوری	ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت	ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت !
دیں مسک زندگی کی تقدیم	دیں سر محمد و براہیم
دل در سخن محمدی بند	اے پور علیؑ زبوعلی چند
ہوں دیدہ راہ ہیں نداری	قائد قریشی بہ از بخاری

آوازِ غیب !

کھو یا گیا کس طرح ترا جو ہر ادراک !

آقا ہے دم صبح صدا انرش بریں سے	کھو یا گیا کس طرح ترا جو ہر ادراک (ارمغانِ حلال)
کس طرح ہو اکند ترا نشترِ تحقیق؟	ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگرِ جگر؟
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار	کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خنس و خاشاک؟
بہرِ دمہ دا بجم نہیں محکوم ترے کیوں؟	کیوں تیری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک؟
اب تک ہے رواں گرچہ لہو تری رگوں میں	نے گزئی افکارِ نہ اندیشہ بیباک !
روشن قودہ ہوتی ہے جہاں میں نہیں ہوتی	جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہ پاک
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہِ منیری	اے نشترِ سلطانی دُملائی دِ سپیری

آج کا زوال پذیر مسلمان صرف حصول زر و دولت کو زندگی اور اپنا عروج سمجھا ہوا ہے۔ زندگی دراصل غلامی سے در رہنے ایک آزاد قوم کے ایک فرد کی حیثیت سے زندہ رہنے حسن تدبیر حسن عمل کو اپنانے اور فقر اور خودی کی حفاظت کا نام ہے۔ یہی ہے حقیقی زندگی اور حقیقی عروج۔ اور ایک مسلمان قوم کی دولت دراصل ہوتی ہے پابندی احکام الہی۔ اس لئے دنیوی دولت کے بارے میں علامہ گجھار ہے ہیں۔

زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
اگر جوان ہوں میری قوم کے جو رد و غیر
سب کچھ اور ہے تو جو خود سمجھتا ہے
اگر جہاں میں مرا جو ہر آشکار ہوا
حیف اس قوم کا بے سود، عمل زار زبوں
دین ہو فلسفہ ہو فقر ہو سلطان ہو

جو فقر سے ہے میر تو نگری سے نہیں! (مغربیلم)
قلندر ی میری کچھ کم سکندری سے نہیں
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
قلندر ی سے ہوا ہے، تو نگری سے نہیں
ہو گیا پختہ عقائد سے تپتی جس کا ضمیر
ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر

ہے میرے سینہ بے زری میں اب کیا باقی

لا الہ مردہ و افسردہ دے ذوق نمود

آہ بند نصیب مسلمان!

غدار وطن اسکو بندتے ہیں برہمن
پنجاب کے ارباب فوت کی شریعت
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
مثال ماہ چمکتا تھا جس کا داغ سجود
ہوا حریف نہ دآفتاب تو جس سے
ترا وجود سراپا تجلی افرونگ
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے ہے خالی
مصلحتی کبہ دیا میں نے مسلمان تجھے
آہ! اے مرد مسلمان تجھے یاد نہیں
روتے دین و ملت پارہ پارہ

انگریز سمجھتا ہے مسلمان کو گداگر
کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی تنگبانی
خرید لی ہے فرنگی نے وہ مسلمان!
رہی نہ تیرے ستاروں میں وہ درخشانی
کہ تو وہاں کے عمارت گردن کی ہے تعمیر
فقط نیام ہے تو زرنکار و بے شمیر
ترے نفس میں نہیں گئی یوم نشور!
حرف اذتذرع مع اللہ الہا آخر
قبائے ملک و ملت چاک درچاک دہاں جبرک

علامہ اقبال کی قوم کیلئے دعائیں

دلوں کو مرکزِ ہمدردی کر حریمِ کبریا سے آشنا کر (بالِ جبریل)
جیسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے باز دے حیدر بھی عطا کر
اے اللہ پاک

گیسے تاب دار کو اور تاب دار کر ہوشِ دُخرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر!
عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر!
تو بے محیط بیکراں میں ہوں ذرا کی کجی یا مجھے ہمنار کر یا مجھے بے کنار کر!
میں ہو موصوف تو ترے ہاتھ مرے گہر کا بڑ میں ہوں خزانہ تو مجھے گوہرِ شہوار کر!
تغیرِ نوبہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو اس دم نیم سوز کو طائرِ ک بہار کر!

اے میرے ساتھی اے میرے اللہ

لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساتھی! ہاتھ آجائے تجھے میرا مقام اے ساتھی!
تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند اب مناسب ہے ترانِ نبی ہو عام اے ساتھی!
مری مینے غزل میں تھی ذرا سی باقی شیخ مہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساتھی!
شرِ مردوں سے ہوا پیشہ تحقیق تھی رہ گئے صوفی دہلا کے غلام اے ساتھی!
تو میری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ ترے پیانے میں ہے ماہِ تمام اے ساتھی!
نہ چھین لذتِ آہ سحر گئی مجھ سے نہ کر نگہ سے تغافل کو التفاتِ آمیز!
کہ پہلے مجھ کو زندگیِ جادواں عطا پھر زرق و شوق دیکھ دل بے قرار کا!
جو انوں کو مری آہِ سحر دے پھر ان شاہین بچوں کو بال و پردے
خدایا آرزو میری یہی ہے میرا نور بصیرت عام کر دے

دلوں کو مرکزِ ہمدردی کر حریمِ کبریا سے آشنا کر
جیسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے اسے باز دے حیدر بھی عطا کر

دعا قلبی

مجھے عشق کی آگ اندھیر ہے !
 شراب کہن پھر پلا ساقیا !
 مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا
 غم کو غلامی سے آزاد کر
 ہری سب رخ ملت ترے نم سے ہے
 ترے پنہ پھر کتنے کی توفیق دے
 جگر سے دی تیر پھر پار کر
 ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر
 جو انوں کو سوز جگر بخش دے
 میری ناؤ گرداب سے پار کر
 بتا مجھ کو اسرارِ مرگِ حیات
 میرے دیدہ ترکی بے جوابیاں
 مرے نالہ نیم شب کا نیاز !
 انگلیں مری آرزوئیں میری
 مری فطرتِ آئینہ روزگار
 مرادِ میری رزم گاہِ حیات
 یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
 مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے (بالہجہ)
 وہی جام گردش میں لا ساقیا
 میری خاک جگنو بتا کر اڑا
 جو انوں کو پسِ دل کا استاد کر
 نفس اس بدن میں ترے دم سے ہے
 دلِ مرتضیٰ سوزِ صدیق دے
 تمت کو سینوں میں بیدار کر !
 زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر !
 میرا عشق میری نظر بخش دے
 یہ ثابت ہے تو اس کو سیار کر !
 کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات !
 مرے دل کی پوشیدہ بیتابیاں
 میری خلوتِ داغمن کا گداز !
 اُمیدیں مری جستجوئیں میری
 غزلِ الاقی افکار کا مرغزار
 گما انوں کے لشکر یقین کا ثبات
 اسی سے فقری میں ہوں میں امیر

میرے قافلے میں لٹا دے اُسے
 لٹا دے ٹھکانے لگا دے اُسے

دُعا

یارِ ب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنّا دے
پھر دادیِ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
مردمِ تماشا کو پھر دیدہ بنا دے
بھٹکے ہوئے آمو کو پھر سوئے حرم لے چل
پیدا دلِ دیراں میں پھر شورِ محشر کر
اُس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشان کو
رغبت میں مقاصد کو ہمدشِ ثریا کر
بے لوث محبت ہو، بیباک صداقت ہو
احساسِ غایت کو آثارِ مصیبت کا

جو قلب کو گرمادے، جو روح کو ٹپا دے (باغِ باغ)
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے ادوں کو بھی دکھا دے
اس شہر کے نوگر کو، پھر وسعتِ صحرائے
اس محلِ خالی کو، پھر شاہِ دنیا دے
وہ داغِ محبت دے، جو چاند کو شرم دے
خود داریِ ساحل دے، آزادیِ دہا دے
سینوں میں اجالا کرے، دلِ صورتِ مینا دے
امروز کی شورشِ میں اندیشہِ فردا دے

میں بلبلِ نالائ ہوں اک اجڑے گلستاں کا

تا شیر کا سائل ہوں، محنتِ ج کو دا دے

دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
عزائم کو سینوں میں پیدا کر دے
حدیثِ دل کسی درویشِ بے کلیم سے پوچھ
خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
تری خوری میں اگر انقلاب ہو پیدا
دہی شراب دہی ہے، دھور ہے باقی

دہ بجلی کہ تھی نعرہ لڑتا در میں دہاںِ جبریل
نگاہِ مسلمان کو تلوار کر دے
خدا کرے تجھے مقام سے آگاہ
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں (ضرِ کلیم)
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے
طریقِ ساتی در رسمِ گد بدل جائے!

تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری

میری دعا ہے تری آرزو بدل جائے!

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر

مولانا محمد جمیل الدین صدیقی کے کتب

منجانب رحمن اسلامک پبلشر تقریباً آٹھ سال سے شائع ہو رہے ہیں

جن میں اکثر اقبالیات پر ہیں

اب رحمن اسلامک پبلشر نے

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر کا قیام عمل میں لایا ہے اس کا ایک شعبہ

اقبالیات بھی ہے جس کے ذریعہ مولانا محمد جمیل الدین صدیقی کے ہی

وہ کتب شائع کرنا ہے جو علامہ اقبال کے کلام کے تجزیہ اور ریسرچ

کا نتیجہ ہوں گے تاکہ اشاعت اقبالیات کے کام میں دو طرفہ وسعت

دی جاسکے۔ کتاب ہذا اس زنجیر کی ایک پہلی کڑی ہے۔

علامہ اقبال ریسرچ سنٹر کے اعلیٰ مقاصد کو انشاء اللہ

بہت جلد شائقین اور ناظرین کے علم میں لایا جائے گا۔

عبدالرحمن صدیقی

بی بی سی - بی ایٹ

سکرٹری سنٹر اور اسلامک پبلشر